Dareecha-e-Tahqeeq

دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005

ISSN Online 2790-9972

VOL 7, Issue 1

www.dareechaetahqeeq.com

dareecha.tahqeeq@gmail.com

Research Article

جہاں آرا

ایم فل اسکالر، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی۔

ڈاکٹر ارم مظفر

انچارج، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی۔

نوبل انعام یافتہ ادیبوں کے افسانے: منتخب افسانوں کے اردو تراجم کا تجزیاتی مطالعہ

Jahan Ara

MPhil Scholar Pakistan Study Centre, University of Karachi

Dr. Erum Muzaffar

In-charge, Pakistan Study Centre, University of Karachi

Received: Jan 10, 2026
Accepted: Feb 15, 2026
Published: Mar 30, 2026

Nobel Laureates' Short Stories: An Analytical Study Of Selected Urdu Translations

The study reviewed the work of Nobel Prize-winning writers and their short fiction translated in Urdu. The research investigates the increasing popularity of translated world short fiction in Pakistan. In the past few decades, the art of translation has gained considerable momentum, and in the present age, we see a long list of new translators. Each translator has rendered several short stories into Urdu, hence enhancing accessibility for readers and broadening the horizons of world literature in Urdu. Through these translations of world short stories, we also come to know how world literature reflects its respective societies. Moreover, these translations make us aware of the common aspects and characteristics shared between those societies and Pakistani society, such as themes of family, resilience, and cultural values that resonate across different contexts. This research presents an analysis of selected Urdu translations of

short stories by Nobel Prize–winning writers from Colombia, Turkey, China, Canada, Nigeria, and South Africa

Key words: Urdu translation, short stories, world literature, Noble Prize

Translation (ترجمہ)لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہے۔ [۱]

ترجمہ نگاری ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ فن ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ میں،

" ترجمہ کرنا یقیناًایک مشکل کام ہے اس کام میں ترجمہ نگار، مصنف کے فکر واسلوب اور شخصیت سے جڑا ہوتا ہے،ایک طرف اس زبان کا کلچر جس کا ترجمہ کیا جارہا ہے اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور دوسری طرف اس زبان کا ثقافت جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے، یہ دوئی مترجم کی شخصیت کو توڑ دیتی ہے۔ لیکن یہ تو ہر مترجم کا مقدر ہے۔اس دوئی سے اسلوب کی سطح پر، خصوصیت کے ساتھ اس زبان کو فائدہ پہنچتا ہے، جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس زبان میں نئے اسالیب کے بہت سے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اردو جملے پر تقریباً ڈیڑھ سو سال سے انگریزی زبان کے جملوں اور اسالیب کا گہرا اثر پڑ رہا ہے اسالیب کی یہ تبدیلی دراصل کلچر کی تبدیلی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ایک زبان کا جملہ جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں دو ثقافتوں کا وصل ہو گیا۔ یہ کام بیشتر تراجم کے ذریعے ہوتا ہے۔"[۲]

افسانہ کی صنف ایک کہانی کی حیثیت رکھتی ہے اور کہانی سے ہمارا رشتہ اس وقت سے جڑا ہے ہم دنیا اور اس کے معاملات سے صحیح طرح آشنا بھی نہیں ہوئے تھے۔ شاعری تو لوری سے ہی شروع ہو چکی تھی لیکن جب ذرا شعور آیا تو کہانی سننے کا سلسلہ شروع ہوا۔ان کہانیوں میں کچھ قصے تو سنے سنائے ہوتے تھے اور کچھ کہیں سے پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔ ہمارے ادب میں بھی یہ کہانیاں کہیں نہ کہیں سے یا دیگر زبانوں سے آئی ہیں۔ انگریزی اور عربی کی کئی کہانیاں ہمارے ادب میں آئیں مثلاً الف لیلی کی کہانی یا دیگر طلسماتی کرداروں پر مبنی کہانیاں اردو میں سنائی جاتی رہی ہیں۔ خواہ ان کہانیوں کی تراجم زبانی کئے گئے ہوں اور بزرگوں نے ان میں سے کچھ اخذ کر کے اپنے بچوں کو سنایا ہو یا پھر انہیں تحریر کی صورت میں کاغذ پر منتقل کیا گیا ہو۔ کہانی اور اس کا ترجمہ دنیا بھر میں ساتھ ساتھ چلتا آیا ہے۔ صرف اردو میں ہی نہیں بلکہ تقریباً دنیا کی ہر بڑی زبان میں کہانیوں کے تراجم ہوئے ہیں۔ یہی سلسلہ آگے چل کر ہمیں اردو ادب میں بھی نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں عالمی افسانوں کے جو تراجم ہوئے ہیں اس سے اردو ادب کو بہت فائدہ ہوا ہے۔ان تراجم کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ کسی بھی کہانی نے جنم لیا ہوتا ہے وہاں کی تہذیب سے روشنائی حاصل ہو جاتی ہے۔اس علاقے کے لوگوں کے مزاج، رہن سہن اور ثقافت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی علاقہ کا ادیب اپنا خام مواد اپنی تحریر میں لازمی استعمال کرتا ہے اور یہ خام مواد وہ اپنے چاروں اطراف پھیلی ہوئی زندگی سے ہی لیتا ہے۔ تو اسی لئے اس زبان کے ادب کے جب تراجم کئے جاتے ہیں تو اس معاشرے کا مزاج بھی ساتھ ساتھ منتقل ہو جاتا ہے۔ یعنی تراجم کسی بھی زبان کے ادب اور تہذیب میں تنوع پیدا کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں۔[۳]

اردو ادب میں ترجمہ کا فن دنیا کی مختلف ثقافتوں اور زبانوں کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترجمہ نگاری کی بدولت اقوام عالم میں پائے جانے والے رجحانات، خیالات اور ادبی کاموں کا تبادلہ ممکن ہوتا ہے۔ ترجمہ نگاری کی ایک مستند تاریخ ہے جس کی جڑیں دکن میں ابتدائی ادبی تالیفات اور فارسی اور عربی روایات کے اثرات سے جڑی ہیں گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں ترجمہ کا باقاعدہ آغاز دکن کے دور میں ہو گیا تھا۔ ترجمہ نگاری کا فن عالمی ادب کی ترویج اور ثقافتی تفہیم کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر عالمی افسانوں کا اردو میں ترجمہ زبان کے ارتقاء کا ایک اہم پہلو رہا ہے، جس نے متنوع ثقافتوں سے بھرپور طویل داستانی نظمیں اور افسانوی کہانیوں کو اردو بولنے والے سامعین تک پہنچایا ہے اور اردو ادبی روایت کی تبدیلی اور ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔

عالمی افسانوں کا اردو میں ترجمہ ۱۸ ویں صدی کے اواخر سے ۱۹ ویں صدی کے اوائل میں شروع ہوا، لیکن اس کی جڑیں اس سے پہلے کے ادوار میں پائی جاسکتی ہیں جب زبانی روایات، فارسی تراجم اور اسلامی ادبی اثرات کے ذریعے مختلف ثقافتوں کی کہانیاں اور افسانے برصغیر میں داخل ہوئے۔ ادبی اور مذہبی شعبوں میں اردو کے عروج کے ساتھ، اسکالرز اور شاعروں نے اردو بولنے والے قارئین کے لیے کلاسیکی کہانیوں کو اردو میں ڈھالنا شروع کیا۔ اس دور کی بہت سی کہانیوں میں افسانوی عناصر تھے، جیسے قصہ حاتم طائی، قصہ امیر حمزہ وغیرہ۔[۵]

بیسویں صدی میں پروگریسو رائٹرز موومنٹ(PWM) یا ترقی پسند مصنفین کی تحریک (۱۹۳۰-۱۹۴۰) تراجم کی ایک نئی نظریاتی قوت لے کر آئی۔اس تحریک کے اراکین نے مارکسی، سوشلسٹ، اور نو آبادیاتی مخالف تحریروں کا روسی، انگریزی اور دیگر زبانوں سے ترجمہ کیا۔اس تحریک کے قابل ذکر مترجمین میں فیض احمد فیض،

سجاد ظہیر،اور علی سردار جعفری شامل تھے۔اس کے علاوہ عالمی ادب کے تراجم (شیکسپیئر، ٹالسٹائی، دوستوفسکی، گورکی وغیرہ) نے اردو فکشن اور ڈرامے میں جدیدیت پسند اور حقیقت پسندانہ موضوعات کو متعارف کرایا۔اردو ادبی رسائل نے ترجمہ شدہ مختصر کہانیوں، مضامین اور شاعری کو ترتیب دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔[۶]

تقسیم ہند کے بعد پاکستان اور بھارت میں اردو ترجمہ نگاری کی مختلف سمتوں میں کام ہوا۔ پاکستان میں قرآن و حدیث، فلسفہ، ادب، سائنسی علوم، سیاسیات اور دیگر شعبہ جات کی کتابوں کے تراجم ہوئے۔اس سلسلے میں ادارہ فروغ قومی زبان، مقتدرہ قومی زبان، انجمن ترقی اردو، نیشنل بک فاؤنڈیشن جیسے اداروں کا قیام عمل میں آیا۔ان اداروں نے ترجمہ نگاری کے ضمن میں نہایت اہم خدمات انجام دیں۔مابعد نوآبادیاتی نظام، حقوق نسواں اور جدید ادب کے اردو تراجم نے حالیہ دہائیوں میں توجہ حاصل کی ہے۔عصر حاضر کے مترجمین عالمی ادب کے ساتھ مشغول ہیں خاص طور پر گیبریل گارسیا مارکیز، اورہان پاموک، اور ہاروکی موراکامی کے کام کو ترجمہ کیا جا رہا ہے۔اردو مترجمین نے روایتی طور پر ادب (ادبی تطہیر) پر زور دیا ہے وہ اکثر سخت لغویات پر اظہار کا انتخاب کرتے ہیں۔ بہت سے اردو تراجم میں تاریخی طور پر ثقافتی حوالہ جات، محاورات اور استعارات کو مقامی سامعین کے لیے نہایت خوبصورتی سے ڈھال لیا گیا ہے۔ تقسیم ہند(۱۹۴۷) کے بعد، ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ترجمے نے نئی جہتیں اختیار کیں۔پاکستان میں قومی شناخت بنانے کے لیے اسلامی، سائنسی اور فلسفیانہ تحریروں کے ترجمے پر زور دیا گیا۔خاص کر قرآن و حدیث، فلسفہ، ادب، سائنسی علوم، سیاسیات اور دیگر شعبہ جات کی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ہندوستان میں علاقائی ہندوستانی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کی ساہتیہ اکادمی جیسے اداروں نے حوصلہ افزائی کی۔[۷]

عصر حاضر میں ترجمہ نگاری نے تیز ترین ترقی کی ہے کیونکہ اب کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور خاص کر اے آئی (AI) کے ذریعے ترجمہ نگاری کی رفتار تیز اور آسان ہوئی ہے۔اس کے علاوہ مختلف ایپ مثلاً، گوگل ٹرانسلیٹ، آن لائن لغات، اور ترجمہ سافٹ ویئر اردو میں ترجمہ نگاری کو ایک نئی جہت دے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ادبی، فکشن، سائنسی اور تعلیمی تراجم کا دائرہ مزید وسیع ہو رہا ہے۔اس لئے آج کل اردو میں ترجمہ نگاری کا دائرہ وسیع ہے۔ دنیا بھر کی اہم کتابیں، مضامین، سائنس اور ٹیکنالوجی کے موضوعات، اور دیگر زبانوں کے ادبی کاموں کا اردو میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان بھی اپنی شناخت اور وقعت بنا رہی ہے۔انجمن ترقی اردو، مقتدرہ قومی زبان، ادارہ فروغ قومی زبان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اور دیگر اداروں نے ترجمہ نگاری کے ضمن میں نہایت اہم خدمات انجام دیں ہیں جس کی وجہ سے ادبی، فکشن، سائنسی اور تعلیمی تراجم کا دائرہ مزید وسیع ہوا ہے۔اس کے علاوہ آج کے کمپیوٹرائز دور میں آن لائن لغات اور ترجمہ سافٹ ویئر اور خاص کر گوگل ٹرانسلیٹ وغیرہ جیسی ویب سائٹ اردو میں ترجمہ نگاری کو ایک نئی جہت دے رہے ہیں۔[۸]

اردو ادب میں ترجمے کی اہمیت:

کسی بھی زبان و ادب میں ترجمہ نگاری کا فن بہت اہم جانا اور مانا جاتا ہے کیونکہ علم ترجمہ کے ذریعے پھیلتا ہے اور دوسری زبان سے بہت سے خیالات اپنی زبان میں منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ عصر حاضر میں فرد کی ذاتی ضروریات کا غلبہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ اجتماعی ضروریات اور سماجی اقدار پس منظر میں چلے گئے ہیں۔اس طرزِ فکر نے فرد اور معاشرہ دونوں کی فکری و تخلیقی صلاحیتوں کو متاثر کیا ہے۔ جس کے باعث نا صرف یہ کہ تخلیقی عمل جمود کا شکار ہے بلکہ علم و ادب کے میدان میں حقیقی اور بامقصد کام بھی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ادبی تراجم کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ نہ صرف دوسرے علوم و نظریات سے آگاہی کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ زبان کی توسیع اور فکری ارتقا کا بھی وسیلہ ہیں۔[۹]

یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اردو ترجمہ نے مشرق اور مغرب، کلاسیکی اور جدید، مذہبی اور سیکولر فکر کے درمیان ایک پل کا کام کیا ہے۔زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو نثر کو معیاری بنانے اور اسکے ذخیرہ الفاظ کو تقویت دینے میں ترجمہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ترجمہ کے زریعے نا صرف یہ کہ اردو میں نئے خیالات، فلسفے اور بیانیہ کی شکلیں متعارف ہوئیں بلکہ اس نے مصنفین اور مفکرین کی سوچ اور فکر کو بھی متاثر کیا ہے۔خاص طور پر عالمی افسانوں کے اردو تراجم بہت زیادہ ادبی، ثقافتی اور تعلیمی اہمیت کے حامل ہیں۔ان تراجم نے اردو بولنے والے سامعین کو عالمی افسانوں، بہادری کی کہانیوں اور مہاکاوی داستانوں سے متعارف کرایا ہے، جس سے ادبی افق کو وسعت دینے، بین الثقافتی تفہیم کو فروغ دینے اور اردو ادب میں تخلیقی الہام کو فرغ دینے میں مدد ملی ہے۔[۱۰]

یہ بات اہم ہے کہ ترجمہ ہر دور اور ہر معاشرے کی ضرورت رہا ہے۔کیونکہ یہ سماجی و سیاسی حتیٰ کہ مذہبی اقدار کو فروغ دینے میں بھی نہایت معاون ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بہت احتیاط برتی جاتی ہے۔جدید دور میں ترجمہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر ہم بین الاقوامی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ترجمہ بہت مشکل کام ہے اور اس کے لیے بہت زیادہ مہارت درکار ہوتی ہے۔ترجمے کے ذریعے نہ صرف ترقی یافتہ قوموں کے تجربات کو جانا جاسکتا ہے بلکہ ان سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

مغلیہ دور میں سنسکرت سے فارسی میں کئی ترجمے ہوئے۔ تراجم کے لحاظ سے مغلیہ دور بہترین دور قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج میں اردو اور انگریزی کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادبی تراجم بھی کئے گئے۔اور یہ ادبی تراجم بھی خاصی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔[۱۱]

عالمی ادب کا اردو میں ترجمہ قارئین کو متعلقہ سماج کے زمان و مکان اور انسانی معاشرے کے بارے میں سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔افسانوی موضوعات کے علاوہ آثار قدیمہ ، سیاست ، معیشت ، تاریخ اور عالمی سماج کے جملہ پہلوؤں کے بارے تراجم کے زریعے بھرپور آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔عالمی ادب کا اردو میں ترجمہ قارئین کو متعلقہ سماج کے زمان و مکان اور انسانی معاشرے کے بارے میں سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔افسانوی موضوعات کے علاوہ آثار قدیمہ ، سیاست ، معیشت ، تاریخ اور عالمی سماج کے جملہ پہلوؤں کے بارے تراجم کے زریعے بھرپور آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ترجمہ نے مختلف ادوار میں زبان و علم کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن اور انسانی شعور کی پختگی میں بھی نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر میں اس کی ابتدا شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمہ قرآن سے ہوتی ہے۔ جس کا مقصد عام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانا تھا، کیونکہ قرآن کا اصل متن عربی میں ہے اسی لئے ایک عام آدمی اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ اسی طرح عیسائی مشنریوں نے بائبل کا اردو میں ترجمہ کیا تاکہ وہ اپنے مذہبی پیغام کو مقامی زبان میں عام کریں۔ تاہم عباسی دور میں تراجم کا مقصد خالصتاً علمی و ادبی تھا۔ جہاں فلسفہ ، ریاضی ، طب اور دیگر علوم کو یونانی ، سریانی اور سنسکرت وغیرہ سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ اسی طرح مغلیہ دور میں متعدد فارسی تراجم ہوئے۔ ترجمے کے بغیر کوئی بھی زبان علمی اور فکری طور پر بالغ نہیں ہوسکتی۔ ترجمہ نہ صرف دوسرے علوم کو ایک دوسرے میں جذب کرتا ہے بلکہ زبان کو نئے الفاظ، اسالیب، اور موضوعات سے آشنا کرتا ہے، اور اسکے ثقافتی اور فکری دائرے کو وسیع کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ، ترجمہ صرف الفاظ کی منتقلی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک زبان کی ساخت، اسلوب اور تہذیبی شعور کو بھی متاثر کرتا ہے۔ [۱۳]

بہت سے ادبی شاہکاروں میں اخلاقی اسباق اور بہادری کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں، جو کسی بھی قوم کے کردار تشکیل اور اقدار کے فروغ کے لیے طاقتور ہتھیار ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تراجم اہم تعلیمی وسائل کے طور پر کام کرتے ہیں، خاص طور پر نصاب میں جن کا مقصد ادب کو تاریخ، فلسفہ اور اخلاقیات کے اسباق کے ساتھ ملانا ہے۔

عالمی ادب کا اردو میں ترجمہ بین المذاہب اور بین الثقافتی مکالمے کو فروغ دیتا ہے، خاص طور پر جب مختلف روایات کے افسانوں کو احترام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، یونانی یا افریقی افسانوں کے تراجم اردو بولنے والے قارئین کو تمام انسانیت کے لیے مشترک موضوعات یعنی محبت، بہادری، دھوکہ دہی اور نجات وغیرہ کے نظریات کی آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ ادبی تراجم دراصل عالمی ادبی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کا زریعہ بھی بنتے ہیں کیونکہ ان کا اردو میں ترجمہ کرنے سے انہیں آئندہ آنے والی نسلوں اور وسیع تر سامعین کے لیے تحریری شکل میں محفوظ کرنے میں مدد ملتی ہے۔

یہ تراجم اس بات کو بھی یقینی بناتے ہیں کہ غیر یورپی اور غیر مرکزی دھارے کی کہانیاں (مثال کے طور پر، مقامی یا افریقی افسانوی) اپنی مادری زبانوں کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں قارئین تک بھی پہنچ سکیں۔ علاوہ ازیں عالمی ادب کا اردو میں ترجمہ اور مطالعہ کرنے سے، اسکالرز، محققین اور قارئین تقابلی ادبی مطالعات میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ یعنی تراجم کے زریعے عالمی ادب کا تقابلی جائزہ لینے میں مدد ملتی ہیں۔[۱۴]

اس مقالے میں تراجم کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ مترجمین کے رجحانات کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترجمہ نگاری ایک انتہائی مشکل جہت ہے، لیکن اس سے زیادہ مشکل کام ان تراجم کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لے کر ان امور کی نشاندہی کرنا ہے جو کہ ہمارے ادبی سرمایہ کے لئے ناگزیر قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ زیر نظر تحقیق اس ضمن میں نئے محققین کے لئے نہایت معاون ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں عالمی افسانوی ادب کی ہیئت اور نئی جہتوں سے بھی روشنائی حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو ادبی سرمائے میں ان تراجم کا حصہ یا اثرات کا جائزہ بھی لیا جاسکے گا۔ کیونکہ کسی بھی امر کے اثرات ہی مستقبل کے لئے کوئی لائحہ عمل طے کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

یہ ایک کیفیتی (Qualitative) اور تجزیاتی تحقیق ہے۔ اس تحقیق میں "موضوعاتی تجزیہ" (Thematic Analysis) کے ذریعے عالمی نوبل انعام یافتہ افسانہ نگاروں کے لکھے گئے کچھ منتخب افسانوں کے اردو تراجم جو کہ مختلف موضوعات پر ہیں، ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقاتی مواد کے حصول کے لئے بنیادی

اور ثانوی دونوں ذرائع کا استعمال کیا گیا ہے۔ بنیادی ذرائع میں ملک کے نامور مترجمین حضرات کے انٹرویوز شامل ہیں۔ جو کہ تحقیق کا نہایت اہم ڈیٹا بھی ہیں۔ جبکہ ثانوی زرائع کے طور پر تحقیقی مواد کے حصول کے لئے کتب کے علاوہ مختلف ادبی رسائل، ویب سائٹس، ریسرچ جنرلز، تحقیقی مقالہ جات سے مدد لی گئی ہے۔

زیر نظر تحقیق میں ناڈین گورڈیمر (جنوبی افریقہ) کا افسانہ دولہا، جس کے مترجم محمد سلیم الرحمن ہیں جبکہ مویان (چین) کا افسانہ سانڈ، گبریل گارسیا مارکیز (کولمبیا) کا افسانہ دنیا کا سب سے خوبرو غرقاب، وولے شوینکا (نائیجیریا) کا افسانہ خوف کا بدلتا روپ، اورہان پامک (ترکی) کا افسانہ دور پار کے عزیز اور ایلس منرو (کینڈا) کا افسانہ مانوس رفاقت شامل ہیں۔ آخری پانچوں افسانوں کے تراجم سید سعید نقوی نے کیے ہیں۔ اس کے علاوہ درج ذیل مترجمین کے انٹرویوز کے ذریعے حاصل ہونے والی قیمتی آراء کو بھی باموقع و محل اس تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔ یاسر جواد (مترجم، افسانہ نگار، نقاد)، شوکت نواز نیازی (مترجم، کہانی نویس، نقاد)، سلیم صدیقی (مترجم، کہانی نویس، نقاد)، عرفان یوسف (مترجم، افسانہ نگار، کالم نگار، نقاد) اور عقیلہ منصور (مترجم، افسانہ نگار)

منتخب افسانوں کے تراجم کا تجزیاتی مطالعہ

۱۔ دولہا :

اس افسانے کے مترجم محمد سلیم الرحمن (پیدائش: اپریل ۱۹۳۴) پاکستان کے نامور ادیب، مترجم، افسانہ نگار، ادبی نقاد، فرہنگ نویس، شاعر اور مدیر ہیں۔ آپ کئی برسوں سے اردو زبان و ادب کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ آپ کی وجہ شہرت بطور خاص ترجمہ نگاری ہے۔ آپ نے یونانی مشاہیر ادب پر اہم کتاب ''مشاہیرِ ادب یونانی'' تصنیف کی۔ علاوہ ازیں آپ کی مشہور تصانیف و تراجم میں جہاں گرد کی واپسی، کارل اور اینا اور خلانوردوں کے افسانے سمیت متعدد ادبی شاہکار شامل ہیں۔

افسانہ دولہا ناڈین گورڈیمر کی تخلیق ہے۔ ناڈین گورڈیمر (Nadine Gordimer) (1923-2014) جنوبی افریقہ کی افسانہ نگار و ناول نگار ہیں۔ ناڈین گورڈیمر ہمیشہ جنوبی افریقہ کے سابقہ عدم رواداری کے نظام میں سفید فام اقوام کی بالا دستی اور سیاہ فام لوگوں کی تہی دستی کی سخت مخالف رہی تھی۔ اس نے اپنے افسانوں میں، جذباتیت کے بغیر، بڑی مہارت سے ملک کی پیچیدہ صورت حال کو پیش کیا ہے۔ ۱۹۹۱ میں ناڈین کو ادب کا نوبل انعام دیا گیا تھا۔

"دولہا" جنوبی افریقی نوبل انعام یافتہ مصنفہ ناڈین گورڈیمر (Nadine Gordimer) کی ایک نہایت حساس، فکر انگیز اور پر تاثر افسانہ ہے، جو سماجی، نسلی، اور ذاتی کشمکش کی گہرائیوں کو چھوتا ہے۔ یہ افسانہ بہت خوبصورتی سے انسانی جذبات، غلامی کے بعد کی نسلوں کی سماجی حیثیت، سفید فام برتری، تنہائی، تبدیلی اور خوف جیسے احساسات اور کیفیات کو بیان کرتا ہے۔

یہ افسانہ علامتی افسانہ نگاری اور حقیقت پسندی کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس میں جنوبی افریقہ کے سماجی و نسلی اور معاشی تضادات کو نہایت سادگی مگر گہرے معنوی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ افسانے میں فرد کی زندگی کے ذریعے پورے سماج کی ساخت اور اس سے متعلقہ رویوں اور مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کا بنیادی موضوع سماج کی حقیقت اور انسان کی خواہشات کے درمیان تصادم ہے۔ دولہا ایک ایسی امید اور خواب کی علامت ہے جو استحصالی نظام کے دباؤ میں آ کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ شادی، جو عام طور پر خوشی، سکون اور خوشگوار مستقبل کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن اس افسانے میں ایک ایسی صورتِ حال میں بدل جاتی ہے جہاں غربت اور سماجی ناہمواری انسانی جذبات پر غالب آ جاتی ہیں۔ گورڈیمر نے اس تضاد کو کسی جذباتی خطابت کے بغیر، نہایت غیر جانبدار اور مشاہداتی انداز میں پیش کیا ہے، جو ان کے فنی کمال کی دلیل ہے۔

اس افسانے کا مرکزی کردار ایک سفید فام نوجوان ہے۔، جو ایک سڑک تعمیر کرنے والے پراجیکٹ میں بطور نگراں کام کرتا ہے۔ یہ نوجوان افسر ایک نفسیاتی کشمکش میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ افسانے میں نسلی تفاوت، طبقاتی فاصلہ، اور عورت کو ملکیت سمجھنے جیسے تصورات کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ سفید فام نوجوان اور سیاہ فام ملازموں کے درمیان ایک واضح طبقاتی فرق دکھائی دیتا ہے۔ وہ نوجوان بظاہر تو اپنے سیاہ فام ملازمین سے قریب ہوتا ہے، ان کی موسیقی اور خوراک کو سراہتا ہے، لیکن انہیں اپنے خیمے کے قریب نہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی وہ منافقت ہے جو نوآبادیاتی معاشروں کے "آقاؤں" کا خاصہ تھی۔ اس افسانے میں نسل، جنس، اور اقتدار جیسے موضوعات کو انسان کی نفسیاتی کمزوریوں کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ افسانہ نا صرف یہ کہ انسانی احساسات وجذبات کی گمشدگی کا المیہ ہے بلکہ یہ انسانی رشتوں کی باطنی حقیقت کو بے نقاب بھی کرتا ہے۔[۱۵]

۲۔ سانڈ:

افسانے کے مترجم ڈاکٹر سید سعید نقوی اردو کے نامور ناول نگار،افسانہ نگار، مترجم اور شاعر ہیں۔ان اصناف پر، سکوت، گرداب،دام خیال،ٹک ٹک دیدم اور نامہ بر سمیت آپ کی متعدد کتابیں موجود ہیں آپ کافی عرصے سے امریکہ میں مقیم ہیں۔۲۰۱۵ میں آپ کو"خواجہ احمد عباس ایوارڈ" دیا گیا۔

افسانہ سانڈ چینی ادیب مویان کی تخلیق ہے۔"مویان"کا چینی ادب میں منفرد مقام ہے۔آپ چین کے مشہور افسانہ نویس اور ناول نگار ہیں۔اور"گوان موئے"کے قلمی نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔مویان نے ۲۰۱۲ میں "نوبل انعام برائے ادب" بھی جیتا۔آپ کی تحریروں میں ،سیاست،دیہی معاشرہ اور انسانی نفسیات کے موضوعات کا مطالعہ نظر آتا ہے۔

سانڈ افسانہ طنزومزاح پر مبنی ایک علامتی افسانہ ہے۔اس میں سماجی ناہمواری، طاقت کے غلط استعمال، ناانصافی اور انسانی رویوں پر طنزیہ انداز میں گہرا تبصرہ کیا گیا ہے۔اس افسانے میں سانڈ دراصل ایک ایسی آزاد روح کی علامت ہے جو کسی کے قابو میں نہیں آتی ہے اور طاقت کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔یہاں افسانہ نگار یہ بتانا چاہتا ہے کہ جب کوئی مسئلہ نظام سے باہر ہو کر طاقت بن جائے، تو وہ معاشرے انتشار، خوف اور نااتفاقی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔جبکہ لوگ اس مسئلہ کا صرف ظاہری حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس کی اصل وجہ یا روح کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

افسانے میں سانڈ محض ایک حیوان نہیں بلکہ ایک ایسی بے لگام طاقت کی مجسم صورت ہے جو کہ ہر قسم کے سماجی یا اخلاقی ضابطوں کی قید سے آزاد ہو۔دیہی معاشرے میں سانڈ طاقت،جبر،مردانگی اور غلبے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔مویان نے اسی تصور کو افسانوی شکل میں ڈھال کر سماج میں انسان اور طاقت کے تعلق سے پردہ اٹھایا ہے۔سانڈ کی درندگی اور اس کا جسمانی تسلط دراصل انسان کے اندر موجود حیوانی جبلّت کی علامت ہے جو مناسب نظم وضبط نہ ہونے پر تباہی کا سبب بنتی ہے۔

"سانڈ" ایک طنزیہ علامت ہے جو کہ ایسے نظام کی نشاندہی کرتا ہے جہاں کمزوروں کو دبایا اور طاقتوروں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔[۱۶]

۳۔ دنیا کا سب سے خوبرو غرقاب:

زیرِ نظر افسانہ افسانہ گبریل گارسیامارکیز کی تخلیق ہے۔اس کا اردو ترجمہ سید سعید نقوی نے کیا ہے۔گبریل گارسیامارکیز (۱۹۲۷۔۲۰۱۴)معروف کولمبیائی،افسانہ اور،ناول نگار، ادیب،صحافی تھے۔آپ کا شمار جادوئی حقیقت نگاری کے بانیوں میں ہوتا ہے۔مارکیز نوبل انعام یافتہ مصنف ہیں۔آپ کی تصانیف میں حقیقت نگاری،سیاست،تاریخ اور مافوق الفطرت عناصر کا احاطہ نظر آتا ہے۔

یہ ایک علامتی افسانہ ہے۔یہ افسانہ جادوئی حقیقت نگاری کی بہترین مثال ہے۔افسانہ ایک ایسے نامعلوم غرقاب کے گرد گھومتا ہے جو ایک ساحلی گاؤں کے لوگوں کی اجتماعی نفسیات اور سماجی ساخت کو بدل دیتا ہے۔

اس افسانے میں ایک نامعلوم لاش کا تذکرہ ہے جو کہ ایک گاوں کے لوگوں کو سمندر کے ساحل پر ملتی ہے۔لوگ اس لاش کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔کیونکہ مرنے والا دیکھنے میں خوبرو اور لمبا چوڑا تھا۔اس کا قد کاٹھ،وجاہت اور جسامت عام لوگوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔قد اتنا بڑا کہ وہ گاوں کے کسی چھوٹے سے گھر میں با مشکل سما سکتا تھا۔

گاوں کے مرد محو حیرت بھی تھے اسے دیکھ کر کچھ حسد بھی محسوس کر رہے تھے مگر رفتہ رفتہ وہ بھی اس غرقاب کے وقار سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔جبکہ عورتیں اس کے غیر معمولی حسن،قد و قامت اور وجاہت سے متاثر ہو کر ایک تصوراتی دنیا میں کھو جاتی ہیں۔اور اس کا آخری لباس تیار کرنے میں لگ جاتی ہیں۔گاوں کی عورتوں نے اسے "ایستبان"کا نام دیا۔رفتہ رفتہ گوں کے تمام لوگوں کو اس اجنبی لاش سے ایک لگاو سا ہو جاتا ہے۔اور وہ اسے دفنانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔آخر کار پورا گاؤں اس اجنبی لاش کو اپنی اجتماعی شناخت کا حصہ بنا لیتا ہے اور اس کی تدفین کے بعد گاؤں کے لوگوں کی سوچ یکسر بدل جاتی ہے۔ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایستبان ان کے گاوں میں پیدا ہوا ہوتا تو ان کا گاوں اور ان کے گھر کتنے وسیع،کشادہ اور خوبصورت ہوتے۔لہذا وہ اپنے گھروں اور اپنے خیالات دونوں کو وسعت دینے کا عہد کرتے ہیں۔گویا اس افسانے میں مصنف نے انسانی سوچ میں تبدیلی،ہمدردی کے جذبے کے پروان چڑھنے کا سبق دیا ہے،جو سبق گاؤں کے لوگوں نے اس خوبصورت و توانا نوجوان کی لاش کو دیکھ کر حاصل کیا تھا۔افسانے کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ایک عظیم تصور یا خواب کسی محدود سوچ رکھنے والے سماج کو وسعت،خود شناسی اور تبدیلی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ایستبان دراصل ایک فرد نہیں بلکہ امکان،عظمت اور تخیل کی علامت ہے۔[۱۷]

۴۔ خوف کا بدلتا روپ :

یہ افسانہ وولے شوینکا کی تخلیق ہے۔اس کے مترجم سید سعید نقوی ہیں۔وولے شوینکا کا شمار نائیجیریا کے معروف افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔اس کے علاوہ آپ شاعر،ڈرامہ نگار اور دانشور بھی تھے۔وولے شوینکا پہلے افریقی ادیب ہیں جنھوں نے ۱۹۸۶ میں نوبل انعام برائے ادب حاصل کیا۔ان کی تحریروں میں افریقی نوآبادیاتی نظام اور سیاسی جبر کے خلاف مزاحمت نظر آتی ہے۔آپ فرد اور سماج کی آزادی کے موضوعات کو اپنی تحریروں میں خاص جگہ دیتے ہیں۔

یہ افسانہ انسانی نفسیات کا جائزہ پیش کرتا ہے۔خاص طور پر خوف کا پہلو جس کا شکار تقریباً ہر شخص کبھی نا کبھی ضرور ہوتا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار بھی ایک ایسا ہی شخص ہے جو اپنی زندگی میں بار بار کسی نا کسی بات سے خوف زدہ ہوتا رہتا ہے۔اسے کبھی ملک میں خانہ جنگی کا خوف گھیرے رکھتا ہے،تو کبھی غربت یا بیماری کا،کبھی تنہائی کا خوف تو کبھی کسی سماجی دباو کا،کبھی ناکامی کا خوف تو کبھی کچھ چھن جانے کا،غرض یہ کہ اس کی پوری زندگی خوف سے تعبیر تھی۔ابتدا میں تو وہ موت،آسیب یا دشمن جیسے ہر ظاہری خطرے سے ڈرتا تھا۔لیکن بعد میں اسے احساس ہوتا ہے کہ اصل اور سب سے بڑا خوف تو خود اس کی ذات کے اندر موجود ہے۔

مثلاً،ناکامی،مایوسی اور احساس کمتری وغیرہ۔لہذا جب تک انسان اپنے اندر کے خوف سے باہر نہیں نکلے گا اور اپنے اوپر خوف کا لبادہ اتار نہیں پھینکے گا اسے سکون یا روحانی آزادی نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔[۱۸]

۵۔ دور پار کے عزیز :

افسانہ دور پار کے عزیز کے مصنف اورہان پامک ہیں۔اس کا اردو ترجمہ سید سعید نقوی نے کیا ہے۔اورہان پامک کا تعلق ترکی سے ہے۔آپ معروف افسانہ نگار،ناول نگار،صحافی اور ترکی کے پہلے نوبل انعام یافتہ ادیب ہیں۔آپ کی تحریروں میں مشرق و مغرب کی کشمکش،ترکی کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ کے موضوعات شامل ہیں۔

اس افسانے میں وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے بدلتے تعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔افسانے میں راوی کو ایک خط ملتا ہے۔خط لکھنے والا اپنے آپ کو راوی کا دور کا رشتے دار کہتا ہے۔اس نے خط میں اپنے ماضی کے گزرے لمحات اور ان کی بھولی بسری یادوں کا ذکر بڑی محبت اور اپنائیت کے ساتھ بڑے دردمندانہ،اور جذباتی انداز میں کیا ہے۔یہ سب باتیں راوی کی یادداشت کو دوبارہ کھنگالنے لگتی ہیں۔اسے اپنے رشتوں کے بارے میں وہ سب کچھ یاد آنے لگتا ہے جسے وہ زندگی کے جھمیلوں میں الجھ کر فراموش کر بیٹھا تھا۔

یہ افسانہ اس امر کی جانب توجہ دلاتا ہے کہ،ہماری زندگی میں بہت سے رشتے ایسے ہوتے ہیں جنھیں ہم وقت کے ساتھ ساتھ بھلا بیٹھتے ہیں۔بلکہ ان رشتوں سے جڑے جذبات،احساسات،محبتیں اور قربتیں سب ماند پڑ جاتی ہیں۔یہ رشتے دھندلا تو جاتے ہیں لیکن ختم نہیں ہوتے ہیں لہذا،زندگی کے کسی نا کسی موڑ پر ہمارا ان سے سامنا ضرور ہوتا ہے۔جیسا کہ اس افسانے میں ایک خط کے زریعے ہوا۔اس افسانے کا پیغام یہ ہے کہ،ہمیں اپنے پیاروں سے تعلقات میں دوری اختیار نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہمارے ماضی کی خوبصورت یادیں ان ہی کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔[۱۹]

۶۔ مانوس رفاقت:

یہ افسانہ ایلس منرو کی تخلیق ہے۔جبکہ اس کے مترجم سید سعید نقوی ہیں۔ایلس منرو کینیڈا کی ایک معروف ادیبہ ہیں اور دنیا بھر میں اپنی مختصر کہانیوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ایلس منرو ۲۰۱۳ میں ادب کا نوبل انعام بھی جیت چکی ہیں۔انسانی نفسیات اور رشتوں کی گہرائی آپ کی تحریروں کے خاص موضوعات ہوتے ہیں۔

یہ افسانہ ایلس منرو کی افسانہ نگاری کا ایک نہایت بامعنی اور خوبصورت نمونہ ہے جس میں انسانی رشتوں کی پیچیدگی اور اس سے متعلق حقائق کو گہری معنویت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔بظاہر تو یہ افسانہ محض ایک سادہ بیانیہ معلوم ہوتا ہے،مگر اس کے اندر انسانی نفسیات،ماضی کی تعبیر نو اور سچائی کی نسبتی حیثیت جیسے موضوعات بڑی مہارت سے پیش کیے گئے ہیں۔

اس افسانے میں ایک مرد اور عورت کی پرانی محبت اور رفاقت کی داستان بیان کی گئی ہے۔لیکن یہ داستان کچھ الجھی ہوئی بھی ہے، کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے برسوں کی واقفیت کے باوجود کسی بندھن میں بندھ نہیں پاتے ہیں۔ان کے ذہنوں میں اس مانوس رفاقت سے متعلق کئی وسوسے ہوتے ہیں جو انھیں الجھائے رکھتے ہیں۔اس افسانے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہماری زندگی میں کچھ ایسے رشتے اور رفاقتیں ہوتی ہیں جو نامکمل ہی رہتی ہیں۔ان کے ہونے کا احساس ہمیں وقتی آسودگی تو بخشتا ہے لیکن وہ ہمارے جذبات کی مکمل تسکین کا باعث نہیں بنتے ہیں۔اس لئے ہر انسان کی زندگی میں ایک خلا ضرور باقی رہتا ہے۔[۲۰]

درج ذیل میں افسانوں کے وہ اہم نکات زیر بحث ہیں جو عالمی سماج مختلف مسائل اور ان سے متعلق انسانی رویوں اور شعور کا پتا دیتے ہیں۔

ناڈین گورڈیمر کا افسانہ "دولہا" اس منافقت کا پردہ چاک کر رہا ہے جو نوآبادیاتی معاشروں کے "آقاؤں" کا خاصہ تھی۔ اس افسانے میں نسل، جنس، اور اقتدار جیسے موضوعات کو انسان کی نفسیاتی کمزوریوں کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے۔ مویان کا افسانہ "سانڈ" ایک طنز یہ علامت ہے جو کہ ایسے نظام کی نشاندہی کرتا ہے جہاں کمزوروں کو دبایا اور طاقتوروں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

گبریل گارسیا مارکیز کے افسانے "دنیا کا سب سے خوبرو غرقاب" میں مصنف نے انسانی سوچ میں تبدیلی، ہمدردی کے جذبے کے پروان چڑھنے کا سبق دیا گیا ہے۔ وولے شو ینکا کا افسانہ "خوف کا بدلتا روپ" بتاتا ہے کہ، اصل اور سب سے بڑا خوف تو خود اس کی ذات کے اندر موجود ہے۔ جب تک انسان اپنے اندر کے خوف سے باہر نہیں نکلے گا اور اپنے اوپر خوف کا لبادہ اتار نہیں پھینکے گا اسے سکون یا آزادی نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

اورہان پامک کے افسانے "دور پار کے عزیز" کا پیغام یہ ہے کہ، ہمیں اپنے پیاروں سے تعلقات میں دوری اختیار نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہمارے ماضی کی خوبصورت یادیں ان ہی کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ ایلس منرو کا افسانہ "مانوس رفاقت" بتاتا ہے کہ ہماری زندگی میں کچھ ایسے رشتے اور رفاقتیں ہوتی ہیں جو نامکمل ہی رہتی ہیں۔

گویا کہ، تحقیق میں شامل ہر افسانہ اپنے متعلقہ سماج کی بھرپور عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ تراجم ہی کے ذریعے ہم کسی بھی معاشرے کی ثقافت کی بھی بہتر تفہیم کر سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی قوم کا ادب ایک ابدی طاقت ہوتا ہے جو کہ عوام کو جگانے، کسی قوم کی اصلاح کرنے اور تحریکیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ادبی تراجم کے ذریعے یہ تمام خصوصیات ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے میں منتقل ہو کر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔

عالمی تراجم کے ذریعے عمومی طور پر قاری بین الاقوامی سماجی منظر نامہ سے بہتر آگہی حاصل کرتا ہے۔ یہ ترجمے ہمیں ہمیشہ ایک نت، نئی فکری اور تخلیقی جہت دیتے ہیں۔ ان ترجموں کے ذریعے ہم پوری حقیقی دنیا کے ساتھ خیالی دنیا کا بھی گھر بیٹھے سفر کر سکتے ہیں۔ اور وہاں کے سماج، زندگی، اُن کی سوچ، اُن کی ترقی، خوشحالی، اُن کی بدحالی، بہترین اور بدترین سماجی، اخلاقی اور سیاسی اقدار کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ان کی پوری سیاسی، معاشرتی، معاشی تاریخ کے روشن یا تاریک گوشوں میں جھانک سکتے ہیں۔ اور ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ ان کے خوبصورت دریاؤں، سمندروں، جھیلوں، چشموں، آبشاروں، پہاڑوں، ریگستانوں، اور جنگلات کا نظارہ کر سکتے ہیں، شہروں، دیہاتوں میں کھیتوں، کھلیانوں میں گھوم سکتے ہیں۔ [۲۱]

عالمی افسانوں کے ترجمے کی بڑی افادیت یہ بھی ہے کہ یہ پڑھنے والے کے اندر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرتے ہیں اور اگر پڑھنے والوں کے اندر یہ کچھ صلاحیتیں پہلے ہی سے موجود ہیں تو وہ ان کو اور جلا بخشتے ہیں۔ آپ کی فکرو سوچ کے کینویس کو بلند کرتے ہیں۔ اور آپ کے اندر کی جمالیاتی اور تخلیقی صلاحیتوں کے عملی اظہار کی حس کو بیدار اور متحرک کرتے ہیں۔ ادبی تراجم ہماری ذہنی تفریح کا سبب ہیں، اور پائیدار اہمیت کے موضوعات کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ لیکن آج کے تیز رفتار اور تیزی سے ڈیجیٹلائزڈ معاشرے میں ادب کئی گنا زیادہ اہم ہے۔ دنیا بھر میں شائع ہونے والی کروڑوں کتابیں قارئین کے لیے رہنما ہیں اور ان کے لیے کچھ نیا سیکھنے کے علاوہ تفریح طبع کا سامان بھی ہیں۔ جبکہ ان کتابوں کے تراجم کے ذریعے سیکھنے کے عمل میں نا صرف تیزی آئے گی بلکہ تفریح طبع کے ان ذرائع سے دنیا کے دیگر سماج بھی بھرپور مستفید ہو سکتے ہیں۔

عالمی ادب محض غیر ملکی تصورات کا مرکب نہیں ہے بلکہ یہ فرد اور معاشرے کی سوچ کو وسعت دینے، عالمی انسانی تجربات سے آشنا ہونے اور ثقافتوں میں ہم آہنگی و ہمدردی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص کر ثقافتی اور تعلیمی اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے، معیاری تراجم کے ذریعے اس طرح کے متنوع ادب تک رسائی پاکستان جیسے ملک کے لیے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے ایک زیادہ پڑھے لکھے اور سوچ سمجھے معاشرے کی تعمیر میں مدد مل سکتی ہے جو کئی نقطہ ہائے نظر کی قدر کو سمجھتے ہیں اور اپنی سرحدوں کے باہر سے آنے والے خیالات سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔ عالمی ادب تک زیادہ آفاقی رسائی کا یہ راستہ پبلشرز، اساتذہ اور قارئین کی مشترکہ کاوشوں ہی سے ممکن ہے۔ اس کام میں مشکلات تو بہت ہیں لیکن اس کے فوائد وسیع تر ثقافتی ہم آہنگی، تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ، اور زیادہ مربوط سماجی روابط کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ غیر ملکی ادب کا ترجمہ عالمی کہانیوں کو مقامی بناتا ہے۔ ادبی منظر نامے اور نئے خیالات کے دروازے کھولنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے۔

عالمی افسانوں کے اردو تراجم کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور مقبولیت:

عالمی ادب اور خاص کر عالمی افسانوں کے اردو تراجم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا جائزہ لینے کے لئے کچھ سوالات کے ذریعے مترجمین کی رائے لی گئی ہے۔کیونکہ مترجمین ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں کہ ان کا رجحان اس کام کی جانب کیوں اور کیسے ہوا۔

ان سوالات کے جواب میں سید عرفان علی یوسف نے بتایا کہ ،انہوں نے اب تک مجموعی طور پر دس ہزار کے لگ بھگ ترجمے کیے ہیں جن میں پندرہ ناول بھی شامل ہیں۔وہ ۷۵ سے زیادہ کتابوں کے مترجم، مولف اور مصنف ہیں۔

سید عرفان علی یوسف نے جو تراجم کئے ہیں ان کے انتخاب کی وجہ پیشہ ورانہ ضرورت تھی اور بطور اخبارات میں میگزین ایڈیٹر تو انہوں نے درجنوں کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جو عموما قسطوں میں شائع ہوا کرتی تھیں۔لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ترجمہ نگاری کے فن کو انہوں نے ایک پیشے کے طور پر اپنایا اور اپنی خدمات سے اردو ادب کے دامن کو عالمی ادب سے مالامال کیا۔[۲۲]

عقیلہ منصور کے کئے گئے تراجم کے ۶ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔جن میں سے کتابیں،لیو ٹالسٹائی کی کہانیاں،کل ہو نہ ہو اور زندہ مایوسیاں، انڈیا سے میٹر لنک پبلشرز شائع کر چکے ہیں۔'' لیو ٹالسٹائی کی کہانیاں اور میری زندگی، ماسکو یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ دنیا کی معروف دانش گاہوں کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔جبکہ ''کل ہو نہ ہو " پر تحقیقی مقالہ بھی لکھا جا چکا ہے۔

ان تراجم کے انتخاب کی وجہ عقیلہ منصور یہ بتاتی ہیں کہ ،وہ ایک بار چیخوف کا افسانہ غنودگی کی کیفیت میں پڑھ رہی تھیں،انہی دنوں اسلام آباد کے ایک جج کی بیوی پر الزام لگا کہ اس نے گھریلو ملازمہ پر شدید تشدد کیا۔چیخوف کا وہ افسانہ بھی ایسا ہی تھا اسی لئے انہوں نے اسے ترجمہ کرتے ہوئے کچھ سوالات اٹھائے مثلاً،کہ اس قسم کے حادثات کا ذمہ دار کون ہے ؟ کیا اس کی مکمل ذمہ داری مالکہ کی ہے جس نے تشدد کیا ؟کیا اس کی ذمہ دار ملازمہ لڑکی ہے؟یا پھر یہ کہ ،کیا اس کی ذمہ داری معاشرے پر عائد ہوتی ہے ؟اس واقعہ کے بعد ان کی دلچسپی ایسے افسانوں کی جانب بڑھ گئی جو کہ اپنے متعلقہ معاشروں کی سماجی، معاشرتی ،اقتصادی،اخلاقی یا کسی بھی تہذیب کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔یا پھر کسی بھی دور کے انسان سے متعلق کسی بھی مقصدیت کے حامل افسانوں کے تراجم انہوں نے بہت شوق سے کئے۔عقیلہ منصور ذاتی طور پر کلاسک ادب کو ترجمہ کرنا پسند کرتی ہیں۔ان کتاب ٹالسٹائی کی کہانیاں اور خدا کے نام خط ،میں شامل چیخوف کی پانچ کہانیاں ،موپساں کی تین کہانیاں شامل ہیں۔عقیلہ منصور کلاسک ادب کا ترجمہ کرنا یا جدید ادب میں با مقصد ادب کا ترجمہ کرنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔وہ ادب برائے مقصدیت کی قائل ہیں۔ادب برائے ادب بھی ٹھیک ہے لیکن ادب برائے سستی لذت ان کے نزدیک ناقابل برداشت ہے جیسا کہ جنسی ادب۔

بقول عقیلہ منصور آج کل اردو کا قاری زیادہ تر پاپولر فکشن پڑھتا ہے ، جاسوسی فکشن بھی بہت پڑھا جاتا ہے اس لئے ڈین براؤن کے ناول بھی تراجم میں مقبول ہیں۔آج کا نوجوان جنسی لذت سے بھرپور جدید ناول بھی شوق سے پڑھتا ہے سو ان کے بھی تراجم ہو رہے ہیں۔[۲۳]

سلیم صدیقی نے ۱۰۰ سے زائد عالمی افسانوں کے تراجم کئے ہیں۔ان کے تراجم کا ایک ضخیم مجموعہ "عالمی ادب کے شاہکار افسانے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ دیگر اصناف ادب کے بھی متعدد تراجم کئے ہیں۔

تراجم کے انتخاب کی وجہ سلیم صدیقی نے یہ بیان کی کہ، بزمِ نو آموز مصنفین میں شمولیت کے بعد کے انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری بھی نئی،پرانی کتابوں اور رسائل سے بھرنی شروع کردی تھی۔اس میں فکشن یعنی ناول اور افسانے بھی کثیر تعداد میں شامل تھے۔اس سلسلے میں اردو سے کہیں زیادہ عالمی افسانوی ادب کی انگریزی کتابیں انہیں دستیاب ہوئیں۔چناں چہ انہوں نے اپنی پسند کے افسانوں کی فہرست بنائی اور ان کے تراجم شروع کر دیئے جو کہ رفتہ رفتہ مختلف ادبی رسائل میں چھپتے رہے۔ان کہانیوں کے انتخاب میں آپ نے تخلیق کاروں کی عظمت کے ساتھ ان کے اسلوب،اور فکری بلندی،ہمہ گیری، ان کی مختلف ادبی تحریکوں مثلاً کلاسیکیت، فطرت پسندی، رومانیت، حقیقت پسندی، علامت پسندی وغیرہ سے وابستگی اور انسانیت دوستی اور امن پسندی کو مدنظر رکھا ہے۔ جاپانی کہانیوں کے ترجموں پر آج کل آپ کام کر رہے ہیں اور کم از کم تین کتابیں ان پر تیار کر رہے ہیں۔[۲۴]

تراجم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے بارے میں سلیم صدیقی کی رائے یہ ہے کہ، گر کتابی صورت میں اشاعت ہونے کے پیمانہ پر جائزہ لیا جائے تو اردو میں افسانوی ترجمے کے سلسلے میں ان کے اندازے کے مطابق ہسپانوی زبان بولنے والے ملکوں کے افسانہ نگار اس وقت سبقت لیے ہوئے ہیں۔جن

میں کولمبیا،ارجنٹائنا، میکسیکو، پیرو، پیراگوئے وغیرہ اور خود اسپین کے رائٹر بھی شامل ہیں۔افریقہ کے کئی ملکو ں کے افسانہ نگاروں کے تراجم اردو میں خاصی تعداد میں کیے جارہے ہیں۔[۲۵]

شوکت نواز نیازی نامور ادیب اور مترجم ہیں۔وہ پاکستان اکادمی ادبیات ایوارڈ برائے بہترین ترجمہ ۲۰۲۰اور ۲۰۲۳کے حامل ہیں۔ جبکہ حکومت فرانس کی آفیسر آف دی آرڈر آف آرٹس اینڈ لیٹرز تمغہ ۲۰۲۱ کے حق دار بھی قرار پا چکے ہیں۔علاوہ ازیں عالمی ادارہ برائے فروغ فرانسیسی کی جانب سے گراں پری ۲۰۱۷ بھی حاصل کر چکے ہیں۔انہوں نے عالمی ادب کے متعدد تراجم کئے ہیں جن میں موپاساں، ایف سکاٹ فٹزجیرالڈ، فرینک ہربرٹ، ٹولکین، ولیم گولڈنگ، ژاں پال سارتر، ہارپرلی اور آنتوان دسینت ایزوپیری کے ناولوں کے علاوہ موپاساں کے ۸۰ اور آلبیرٹ کامیو کے ۶ افسانے بھی شامل ہیں۔

وہ فرانسیسی ادب سے زیادہ متاثر ہیں اور فرانسیسی افسانوں کی بنیادی حقیقت پسندی کے باعث ان کو اردو ادب کے قالب میں ڈھالنے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہوئی۔اسی لئے ان کی توجہ فرانسیسی افسانوں پر مرکوز رہی ہے اور کی بنیادی وجہ فرانسیسی زبان سے ان کی شدھ بدھ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ،"میں افسانے کو دیگر تمام ادبی اصناف سے زیادہ حقیقت پسند گردانتا ہوں،یوں عالمی افسانوں کے تراجم سماج اور معاشروں کے درمیان روابط استوار کرنے کا کام کرتے ہیں"۔[۲۶]

یاسر جواد نے بھی عالمی ادب کے متعدد تراجم کئے ہیں جن میں خوشونت سنگھ کے (سورگ) کے علاوہ اجیت کور کے افسانے (فالتو عورت) کا ترجمہ بہت پسند کیا گیا۔انہوں نے خوشونت سنگھ کا اُردو سے اور اجیت کار کا گورمکھی (پنجابی) سے ترجمہ کیا۔

تراجم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ، روسی افسانے سابق یو ایس ایس آر کی حکومت نے اپنے نظریے کے پھیلاؤ کی غرض سے ترجمہ کروائے۔کافکا، کامیو اور سارتر کو انیس ناگی کی طرح کے مترجم اور ناول نگاروں نے متعارف کروایا جو وجودیت اور تجریدیت میں دلچسپی رکھتے تھے۔بورخیس، میلان کنڈیرا، گابریئل گارشیا کو " آج" جیسے شماروں نے دریافت کر کے تراجم کے ذریعے پڑھنے والوں تک پہنچایا۔[۲۷]

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ،ترجمہ شدہ مختصر کہانیوں کی طرف اردو قارئین کے جھکاؤ میں اضافے کی تصدیق کے لیے کوئی براہ راست شماریاتی پیمانہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔لیکن مترجمین کے جوابات نے ترجمہ شدہ ادب میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کو ظاہر کیا ہے۔کیونکہ تراجم کے زریعے قارئین کو ایسی کہانیوں کی طرف راغب کیا جاتا ہے جو منفرد ثقافتی بصیرت اور تجربات کی حامل ہوتی ہیں۔اوران کے تراجم ثقافتی تفہیم اور خیالات کے تبادلے کے لیے ایک اہم کردارادا کرتے ہیں۔مترجمین کی رائے کے مطابق جن موضوعات کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے ان میں ایڈونچر، رومانس، دکھ درد،جنگلی حیات، کلاسیکی کہانیاں، جاسوسی اور جنگ و جدال کی کہانیاں، سفر نامے شامل ہیں۔پاکستانی قارئین میں یہ موضوعات ہمیشہ سے مقبول رہے ہیں۔ڈائجسٹوں کے عروج کے زمانے میں زیادہ تر انہی موضوعات سے رسالے کا پیٹ بھرا جاتا تھا۔مترجمین کے مطابق آج کے دور میں کتابوں کی قیمت پہلے کے مقابلے میں چار سے چھ گنا بڑھ چکی ہے۔یہ ہی وجہ ہے کہ عالمی افسانوں کے اردو میں تراجم کے قارئین کی تعد اد میں بھی کمی ہوگئی ہے۔

کسی بھی معاشرے کا ادب وہاں کے انسانوں کی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔جبکہ اس ادب کے تراجم کے مختلف معاشروں کے لئے ایک دوسرے کو سمجھنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ترجمہ کے ذریعے کسی معاشرے کے شخص کی آواز سن کر ہم یہ جاننا شروع کر سکتے ہیں کہ وہ شخص کیسا سوچتا ہے۔یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ادب اپنے مقصد کی وجہ سے اہم ہے اور جس معاشرے میں انسانی میل جول کم ہو رہا ہو اور آپس میں لاتعلقی بڑھ رہی ہو وہاں افسانے یا ناول ایک مکالمہ تخلیق کرتے ہیں۔جبکہ ترجمہ اس ادب کی اثرانگیزی کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

اس تحقیق سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ،عالمی افسانوں میں انسانی نفسیات اور سماجی ناانصافی جیسے کون سے مشترکہ آفاقی موضوعات موجود ہیں جن کو افسانوی صورت میں بیان کیا گیا ہے ۔مزید یہ کہ کس طرح ثقافتی، تاریخی اور سیاسی سیاق و سباق، ایک ادب میں بیانیے اور کردار کی تصویر کشی، کرکے اسے اردو ادب کے موضوعات سے مترادف یا متصادم کرتے ہیں۔

عالمی افسانوں کے تراجم سے پتا چلتا ہے کہ، یہ افسانے اپنے متعلقہ سماج میں روشن خیالی، انسانیت دوستی، غریب اور مفلس لوگوں سے ہمدردی، اور معاشرے میں عدل وانصاف وغیرہ وغیرہ کے ساتھ سماج کی فرسودہ اقدار کو جڑ سے اکھاڑنے اور مردانہ معاشرے میں محکوم عورت کے ساتھ سنگین ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کا شعور پیدا

کرتے ہیں۔ پاکستانی اور عالمی افسانوں کے موضوعات و متن تقریباً یکساں ہیں۔ عالمی افسانہ نگاروں کے ہاں اپنے ملکوں میں پائے جانے والے ثقافتی، اخلاقی، اور سیاسی زوال، اور اس سے متعلقہ ادارے میں کرپشن اور ناانصافی کو اجاگر کرنے کا بہت جرأتمندانہ بیان ملتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسانی وجود کا ہر جوہر، محبت، کشمکش، اخلاقیات، اور برداشت، وہ آفاقی صفات ہیں جن کو ہر دور کے ادب نے پیش کیا ہے۔ یہ فرض کرنا کہ عالمی ادب غیر ہے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستانی قارئین کو غیر ملکی ثقافتوں اور تجربات کی کہانیوں سے جڑنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے تراجم کے رجحان کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مظفر علی سید، فنِ ترجمہ کے اصولی مباحث ،مشمولہ رودادِ سیمینار، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ، مارچ ۱۹۸۶، ص ۳۳

۲۔ جالبی جمیل (ڈاکٹر) ارسطو سے ایلیٹ تک ، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ، ۲۰۰۳، ص ۱۲، ۱۳

۳۔ امجد رشید، فنِ ترجمہ کے اصولی مباحث ،مشمولہ رودادِ سیمینار، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ، مارچ ۱۹۸۶، ص ۴۳

۴۔ https://archive-share.america.gov/ur/
انکل-ٹامز-کیبن-کی-تخلیق-کے-محرک-کی-یاد-

۵۔ شہباز حسین مشمولہ، ترجمہ کا فن اور روایت، ملتان: اردو ریسرچ جرنل ۲۰۱۸، ص ۷۸۱

۶۔ خالد محمود خان (غدار ترجمہ نگار)۔ ترجمے کے مباحث ، مرتب : محمد ابو بکر فاروقی، کراچی: سٹی بک پوائنٹ ۲۰۱۶، ص ۱۷۲۔۱۷۴

۷۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، اسلام آباد: دوست پبلی کیشن، ۲۰۱۶

۸۔ پروفیسر ظہور الدین، فن ترجمہ، ششماہی مجلہ تسلسل، شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی جنوری تا جون ۲۰۰۴، جلد ۶، شمارہ ۲۱

۹۔ خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، ثمر آفسیٹ پریس، دہلی، معاون: دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، سن اشاعت: ۱۹۹۶

۱۰۔ پروفیسر قمر رئیس، ترجمہ کا فن اور روایت (پروفیسر محمد حسن، ترجمہ نوعیت اور مقصد)، دہلی: تاج پبلشنگ ہاوس، ۱۹۷۶، ص ۹۶

۱۱۔ تاریخ ادب اردو، ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد انڈیا، ۱۹۷۲، ص ۹۲

۱۲۔ ترجمہ روایت اور فن، نثار احمد قریشی (انیس ناگی، ترجمے کی ضرورت)، اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵۔ ص ۲۸۔۳۰

۱۳۔ پروفیسر قمر رئیس، ترجمہ کا فن اور روایت (پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، اردو میں تراجم کے مسائل)، دہلی: تاج پبلشنگ ہاوس، ۱۹۷۶ص، ۸۰۔۹۷

۱۴۔ ڈاکٹر قمر رئیس، ترجمے کا فن اور روایت، مرتبہ، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۷۶ص ۱۹۹ ؛ڈاکٹر اسماعیل زرے، میری ٹائم یونیورسٹی، ایران، جنوری ۲۰۱۰

۱۵۔ احمد سلیم الرحمن (مترجم)، کارل اور اینا (منتخب ترجمے)، کراچی: سٹی پریس بک شاپ، ۲۰۰۲، ص ۶۶

۱۶۔ سید سعید نقوی (مترجم)، سکوت (عالمی ادب سے انتخاب)، کراچی: شہر زاد، بی ۵۵، ۲۰۱۵، صفحہ ۱۱۸

۱۷۔ ایضاً، صفحہ ۷۵

۱۸۔ ایضاً، صفحہ ۳۷۴

۱۹۔ ایضاً، صفحہ ۱۷۵

۲۰۔ ایضاً، صفحہ ۳۱۴

۲۱۔ منیر عباس سپرا، ”عالمی فلیش فکشن کے اردو تراجم: پس منظر، پیش منظر اور تجزیہ“، ورلڈ اردو ریسرچ اینڈ پبلیکیشن،1 فروری 2025۔
https://www.worldurdurnp.com

۲۲۔ انٹرویو۔سید عرفان علی یوسف۔مترجم،افسانہ نگار،نقاد۔٦۔ستمبر،۲۰۲۵

۲۳۔ انٹرویو۔عقیلہ منصور جد ون۔مترجم،افسانہ نگار،نقاد۔۱۲۔جون،۲۰۲۵

۲۴۔ انٹرویو۔سلیم صدیقی۔مترجم،افسانہ نگار،نقاد۔۲۱۔جون،۲۰۲۵

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ انٹرویو۔شوکت نواز نیازی۔مترجم،افسانہ نگار،نقاد۔۲۷۔مئی،۲۰۲۵

۲۷۔ انٹرویو۔یاسر جواد۔مترجم،افسانہ نگار،نقاد۔۱۳۔جون،۲۰۲۵